سحر انگیز

موجِ غزل کتابی سلسلہ نمبر ۲۴۷



مرتبہ
نوید ظفر کیانی

بسم الله الرحمن الرحيم

فیس بک عالمی ادبی گروپ موجِ غزل کے "منفرد قوافی و نظم رنگ" مشاعرہ کے تحت
منعقدہ مشاعرہ نمبر ۲۴۷ بتاریخ ۹ رجنوری ۲۰۲۱ء پر مشتمل برقی کتاب

سحر انگیز

موجِ غزل کتابی سلسلہ نمبر ۲۴۷

گروپ منتظمین:
ہاشم علی خان ہمدم
نوید ظفر کیانی
روبینہ شاہین بینا
نادیہ سحر
قدسیہ ظہور

مرتبہ:
نوید ظفر کیانی

موجِ غزل پبلیکیشنز

mudeer.ai.new@gmail.com
https://archive.org/details/@nzkiani
https://www.facebook.com/groups/173610905634616/

فہرست



پیش رس

سحر انگیز

منظر منظر سحر انگیز کیا جائے گا
چلتا پہیہ اور بھی تیز کیا جائے گا
کب تک ہم تاریخ کی منزل تک پہنچیں گے
کب تک گھوڑوں کو مہمیز کیا جائے گا

تہذیب کی رتھ پر سوار انسان اپنی پہچان کے سفر میں اپنا مقام تلاش کر رہا ہے۔ زندگی کا تیز رفتار سفر منظر منظر مبہوت کیے ہوئے ہے۔ قربت معکوس جبکہ دوری راست چلتی دکھائی دیتی ہے۔ سڑک پہ سفر کرتے قریبی اشیاء پیچھے بھاگتی اور دور سے بھرے آسمان کے نیچے پہاڑ ساتھ چلتے دکھائی دیتے ہیں۔ انسان کا ذوق سفر اس کی جستجو کو مہمیز کر رہا ہے۔ گھوڑے اپنی سبک رفتار سے وقت کا پہیہ تیز تر گھمانے کی تگ و تاز میں ہیں۔ یہ تیز رفتاری انسان کو تاریخ کی نامعلوم منزل کے رستے پر رواں دواں رکھے ہوئے ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے انسان اپنی تلاش میں گم ہے۔ اللہ ہمیں صدیوں کے سحر انگیز سفر میں بامراد اور باوقار رکھے۔ آمین۔

موج غزل عالمی مشاعرہ کی ۲۴۷ ویں محفل میں منفرد قافیہ رنگ اور "سحر انگیز" نظم رنگ پیش کیا گیا۔ خوب صورت تخلیقات پر مشتمل موج غزل ادبی مجلہ برقی کتاب کی صورت میں پیش خدمت ہے۔ اللہ ہم سب کو اپنی امان میں رکھے۔ آمین۔

ہاشم علی خان ہمدم
منتظم موج غزل ادبی فورم



اجمل صدیقی

سحر انگیز

سمندر کو چاند کی روشنی----
موج کو ساحل کی دلکشی-----
چکور کو دلفریب چاندنی----
مور کو رقص کی وارفتگی-----
آبشار کی روانی کا رقص----
جھیل کے پانی کا عکس-----
جگنے کو نور-----
شراب کا سرور------
زاہد کو حور-------
طلب کو طور------
حسن کو آئینہ-----
شبنم کو پھول------
پھول کو بلبل------
سماعت کو نغمہ----
بصارت کو جلوہ----
نیند کو سپنا------
-------سحر انگیز ہے
ایسے
مجھے تو دل آویز ہے
تیرا جسم یا اسم ہے
ہر سو تیرا طلسم ہے



اصغر شمیم

کیسے کہوں کہ کتنی ہے زرخیز زندگی
مجھ کو ملی ہے پیار سے لبریز زندگی

رکتی نہیں ہے اب وہ کسی بھی مقام پر
مجھ کو ملی ہے مجھ سے بھی یہ تیز زندگی

ہوتا ہے میرا روز یہاں غم سے سامنا
کہتے ہیں لوگ میری ہے نوخیز زندگی

عادت ہے ان کو شہر میں سونے کی دیر تک
دیکھی کہاں کسی نے سحر خیز زندگی

سب آ کے میرے پاس بھی تب بیٹھتے یہاں
اصغرؔ مری بھی ہوتی جو گلریز زندگی



اقبال اشعؔر

خطۂ زرخیز کی ہے جستجو
غنچۂ گل ریز کی ہے جستجو

ایک سُر سنگیت دِل کو چاہیے
سازِ دلآویز کی ہے جستجو

یہ محبت یا بغاوت ہے مری
فتنۂ نوخیز کی ہے جستجو

یہ مری عجلت پسندی تو نہیں
جستجوئے تیز کی ہے جستجو

ظلم کے ہم راہ چلنے کی روش
وقت کے چنگیز کی ہے جستجو



انعام الحق معصوؔم صابری

آقا ﷺ سے دل یہ عشق میں لبریز چاہیے
جذبات سے بھرا بھی جنوں خیز چاہیے

لب پر درود پاک ہو سنت پہ بھی چلیں
صلی علیٰ سے قلب بھی رنگریز چاہیے

اشعار پاک لفظ سے مامور ہوں سبھی
پھر نعت لب پہ میرے سحر خیز چاہیے

وسعت ملے دماغ کو مدحت کے واسطے
تازہ خیال پاک بھی زرخیز چاہیے

بیمار ہوں علاج کو جلدی لئے چلو
طیبہ طرف مرا تو سفر تیز چاہیے

خوشبو قبر کے واسطے میری اے عاشقو!
ان ﷺ کے پسینے پاک سے مہمیز چاہیے

معصوؔم خواب میں مجھے سرکار ﷺ کا فقط
دیدار چشم نم سے دل آویز چاہیے



ایم اکرام الحق

سحرانگیز

زمانے بھر سے دل آویز ہے تو
حسیں تر ہے سحر انگیز ہے تو
تری صورت سے قائم ہیں بہاریں
تری آنکھوں میں دائم ہیں بہاریں

نہیں دیکھا حسیں پر تجھ سا کوئی
نہیں ملتا زمیں پر تجھ سا کوئی
ہے مانا تو زمانوں سے حسیں ہے
نہیں پایا کہیں پر تجھ سا کوئی

تقابل تیرے دنیا کچھ نہیں ہے
سراپا تیرا عالم سے حسیں ہے
تجھے دیکھا جہاں بھی ہم نے دلبر
نگاہوں کا تو مرکز پھر وہیں ہے

زمانے بھر سے دل آویز ہے تو
حسیں تر ہے سحر انگیز ہے تو
تری صورت سے قائم ہیں بہاریں
تری آنکھوں میں دائم ہیں بہاریں

نہ کرنا زندگی برباد میری
کبھی آئے گی تجھ کو یاد میری
دعا کرتا رہا ہوں میں خدا سے
محبت بھی رہے آباد میری

محبت تم سے کرتا ہوں خدارا
ترا ہی دم بھی بھرتا ہوں خدارا
مجھے کچھ یاد ہو تیرے سوا کیا
سبق تیرا ہی پڑھتا ہوں خدارا

زمانے بھر سے دل آویز ہے تو
حسیں تر ہے سحر انگیز ہے تو
تری صورت سے قائم ہیں بہاریں
تری آنکھوں میں دائم ہیں بہاریں





ایم اکرام الحق

اتنا مانا کہ تجھے دیکھ کے پرہیز نہیں
حسن تیرا یہ صنم کم تو بلاخیز نہیں

ان کی نظروں کی کرامات ہیں تسلیم مجھے
پر یہ معلوم ہے اتنے بھی مگر تیز نہیں

شوخ رنگوں کی ضرورت نہیں تم کو ہمدم
حسن خیرہ کی عبارت کبھی رنگریز نہیں

دردِ عالم میں قیامت نہیں ایسے ویسے
اس محبت میں دیکھی کبھی آمیز نہیں

لفظ بولی میں کبھی غیر کے غالب نہ کرو
اہل اردو ہیں بیانوں میں بھی انگریز نہیں

جو نکلتے ہیں ارادوں کو بنا کے پختہ
روک پاتے تو انہیں راہ کے سنگریز نہیں

گرد ہونا نہیں نفرت میں زمانے کی حق
آج دشمن کی زمیں اتنی بھی زرخیز نہیں



تابش رامپوری

ہر شعر ترا حسن سے لبریز بہت ہے
شاعر کی زمیں آج بھی زرخیز بہت ہے

غزلوں میں کشش خوب ہے شعروں میں روانی
اور تیرا تخیل بھی دل آویز بہت ہے

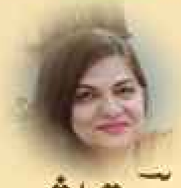
ہر کام یہاں ہوتا ہے بالکل ہی انوکھا
تخلیقی عمل آپ کا بھی تیز بہت ہے

تلوار کے جیسے تیری چلتی ہے زباں بھی
جذبہ ہے ہمہ گیر، جنوں خیز بہت ہے

رنگین مزاجی تری واللہ قیامت
چاہت کا چمن آج بھی گل ریز بہت ہے

قاتل کی صدارت میں ہے غنڈوں کی حکومت
میداں میں ہلاکو بھی ہے، چنگیز بہت ہے

خورشید کے جلوے تجھے تابش ہو مبارک
احباب مرا دل نشیں پرویز بہت ہے



جیاؔ قریشی

زندگی ہو گئی ہے درد انگیز
ہر گھڑی ہے یہاں پہ فتنہ خیز

آ گئے ہیں وہ مجھ سے ملنے کو
رات کتنی ہوئی سحر انگیز

ہر طرف جنگ اور ظلمت ہے
ایک عالم ہے آج بھی خوں ریز

شام ڈھلنے لگی سمندر میں
آسماں اور زمیں ہیں ہم آمیز

کھلنے والی نہیں یہ میری آنکھ
ہو رہی ہوں میں خواب سے مہمیز

ہر سخن درد کا الاو ہے
روشنی آفتاب سے بھی تیز

زندگی مطمئن گزاری ہے
خواہش نفس سے نہیں لبریز

کون رکھتا ہے یاد عہد وفا
عشق تھوڑی ہے کوئی دستاویز

پھول کھلنے لگے محبت کے
خاک گلزار ہے بہت زرخیز

رات کاٹی ہے ہم نے آنکھوں میں
میرا ہم زاد بھی رہا شب خیز

ملنے جلنے کا گر ارادہ ہے
بیچ میں کیوں رکھی ہوئی ہے میز

اور بھی آب و تاب آئے گی
عشق بھی ہے جیاؔ ابھی نوخیز



خاورؔ چشتی

محبت سے جو دل ان کا کبھی لبریز ہو جائے
تو ان کو چاہیئے، چاہت میں تھوڑا تیز ہو جائے

نمی سی آنکھوں میں رہتی ہے ہر پل مستقل میری
میں ڈرتا ہوں نہ بڑھ کے یہ کہیں کاریز ہو جائے

خوشی کے گل جو کھلتے ہیں تو دل آباد ہوتا ہے
رہیں خوشیاں سدا یونہی یہ دل گل ریز ہو جائے

بھری محفل میں یوں نہ تھام کے لب لب تلک لاو
سبھی کہنے لگیں گے آپ کو انگریز ہو جائے

ستم ڈھاو نہ تم یونہی محبت سے بھرے دل پہ
ظلم کرنے پہ بدلے نام اور چنگیز ہو جائے

دلوں کے کشت میں بوو فصل تم پیار کی ہر دم
میرا دعوی ہے یوں کرنے سے وہ زرخیز ہو جائے

چلے آو کبھی خود ہی در خاورؔ پہ میری جاں
قبل اس کے محبت اپنی یہ آمیز ہو جائے



ذہینہ صدیقی

یہ دل کی زمیں آپ کی زرخیز نہیں ہے
بنجر تو ہے لیکن حیرت انگیز نہیں ہے

برسوں سے یہی رونقِ گلشن ہے چمن میں
یہ ایک ہی غنچہ ہے جو نوخیز نہیں ہے

تہذیب سے محروم ہے یہ اس کی کمی ہے
ورنہ مرا دلبر فتنہ انگیز نہیں ہے

وہ رنگ نہیں سکتا دوپٹہ مرا ہرگز
وہ صرف جولاہا ہے، وہ رنگریز نہیں ہے

تُم ہم کو بلاؤ تو کبھی بزمِ سخن میں
آنے میں تری بزم میں پرہیز نہیں ہے

چلمن نہیں کہتے اِسے، یہ شرم و حیا ہے
یہ آنکھ کا پردہ ہے، یہ مہمیز نہیں ہے

بیرونِ ممالک سے تعلق تو ہے اس کا
لیکن یہ حقیقت ہے، وہ انگریز نہیں ہے

اِک بار ذرا اس کو پرکھ کر بھی تو دیکھو!
سیدھی ہے ذہینؔہ بڑی، کچھ تیز نہیں ہے



راغبؔ کلیم

زباں چلتی قینچی سے بھی تیز ہے
بہت ہی بڑی فتنہ انگیز ہے

اُگاتا ہے وہ پھول کانٹے نہیں
زمیں جس کے دل کی بھی زرخیز ہے

رکھا کرتے ہیں لوگ چہرے کئی
تبھی تو مرا دل کم آمیز ہے

کبھی پیچھے مقصد سے ہٹتا نہیں
جو انسان ہوتا جنوں خیز ہے

تری مسکراہٹ پہ ہوں میں فدا
بہت خوبصورت دل آویز ہے

ہے محبوب ربِّ جہاں کو وہی
نواہی سے کرتا جو پرہیز ہے

بہت ہو چکے ہم پہ راغبؔ ستم
تحمل کا پیمانہ لبریز ہے

روبینہ شاہین بیناؔ

شوگر سے پرہیز کرے
چائے میں میٹھا تیز کرے

بھوک مٹا دی بھاشن نے
بچہ اب کیا "لیز" کرے

بھوک جسے گچھوں پکڑے
وقت کو کیسے چیز کرے

لنچ ناشتہ چہ معنی
کارِ تصبح خیز کرے

جو نہ اس کو سہ پائیں
کیا کرسی و میز کرے

جس سے اُس کو باز کریں
کام وہی always کرے

دولت میں کیا طاقت ہے
چوزے کو چنگیز کرے

کون کورونا سے پوچھے؟
چھٹی کتنی Days کرے



سید خورشید نواز لائقؔ بخاری

عشقِ رسولِ پاکؐ سے لبریز دل ہوا
نخلِ ثنا کے واسطے زرخیز دل ہوا

سن کر درِ کرم کی عطاؤں کے تذکرے
طیبہ کی حاضری کو بہت تیز دل ہوا

وردِ درود سے ہے معطر مشامِ جاں
نعتِ رسول سے مرا گل خیز دل ہوا



سیّدہ منور جہاں منوّر

اندازِ بیاں گرچہ دلآویز نہیں ہے
لہجہ بھی مرا مصلحت آمیز نہیں ہے

پروانوں پہ ہوتا ہی نہیں اُس کا اثر کیوں
دیپک کی ترے لگتا ہے لو تیز نہیں ہے

گلہائے محبت ترے کمہلائیں گے اک دن
مٹی جو وفا کی تری زرخیز نہیں ہے

زاہد کو ہے انکار مئے رنگیں سے لیکن
مل جائے اگر مفت تو پرہیز نہیں ہے

وہ اور ہیں جو دم میں چھلک جاتے ہیں یوں ہی
پیمانہ مرے صبر کا لبریز نہیں ہے

وہ دشتِ محبت کی سیاحت نہ کریں گے
وہ جن کا غمِ عشق جنوں خیز نہیں ہے

پیغام منوّر! ہے مرا سب سے محبت
اقدام مرا دشمنی انگیز نہیں ہے



شاہین فصیح ربّانی

نہیں کوئی مشکل ہوا تیز ہونا
دیئے پر ہے لازم جنوں خیز ہونا

سنا ہو گا خرگوش کچھوے کا قصہ
نہیں خوبیِ رفتار کا تیز ہونا

مقدر سے پائی ہے روزی زیادہ
خوش آیا ہمیں تو سحر خیز ہونا

بہت ہے جو اک جرعہ سرشار کر دے
نہیں لازمی جام لبریز ہونا

گلوں پر مہرباں ہے فطرت ہمیشہ
سو ان کو ہے زیبا دلآویز ہونا

یقیناً بناتا ہے رومی کو رومی
میسر کوئی شمسِ تبریز ہونا

تکبر کا اس پر نہ ہو شائبہ تو
غلط کچھ نہیں ہے کم آمیز ہونا



شمیمؔ چودھری

تراشوں گی قلم نے سے، بہت ہی تیز کرنی ہے
ابھی تو سوچ بھی اپنی سخن انگیز کرنی ہے

جو کہنا ہے وہ سب کے سامنے اب کھل کے کہنا ہے
کوئی بھی بات ایسی اب نہ معنی خیز کرنی ہے

اُتر آئیں کہیں نہ شام کے سائے یہ رستے میں
مجھے جلتے چراغوں کی یہ لو اب تیز کرنی ہے

کرے سیراب جو آ کے مری بنجر زمینوں کو
تلاش ایسی کوئی مجھ کو نئی کاریز کرنی ہے

نہیں بھاتا کوئی بھی رنگ اب اس کے سوا مجھ کو
یہ دھانی ہی مری چنری سنو! رنگ ریز کرنی ہے

سمندر کی یہ موجیں منتظر ہیں تیرے جلووں کی
تمھیں بھی اپنی تابش اے قمر لب ریز کرنی ہے

اگر تم کو شمیمؔ اس میں کوئی غلہ اُگانا ہے
تو پہلے یہ زمیں ساری تمھیں زرخیز کرنی ہے



شمیمؔ چودھری

یہ پیمانہ محبت کا ذرا لبریز ہو جائے
ترے آنے سے میری شام دلآویز ہو جائے

بڑی مشکل سے میں نے پھر چراغوں کو جلایا ہے
میں ڈرتی ہوں نہ جنبش اب ہوا کی تیز ہو جائے

تمھارے ہجر نے بھڑکائی ہے جو آگ سینے میں
کہیں اُس آگ کا شعلہ نہ پھر سے ریز ہو جائے

چلو کچھ تو رکھو تُم بھی بھرم آداب محفل کا
کرو نہ گفتگو ایسی کہ معنی خیز ہو جائے

دلوں کو جیتنے کے واسطے اتنا ہی کافی ہے
تنک لہجے سے ہم کو تھوڑا سا پرہیز ہو جائے

برائے عجز جب جھکتے ہوئے دیکھے وہ پیشانی
مرا سر خود بخود ایسے میں سجدہ ریز ہو جائے

مہک اُٹھے گی میری سرزمیں تازہ گلابوں سے
سنو مٹی شمیمؔ اس کی ذرا زرخیز ہو جائے



ضیا شہزاد

ممکن نہیں کہ عشق سے پرہیز کیجئے
بہتر ہے خود کو عشق سے لبریز کیجئے

دنیا سکون و چین کی جا ہے، رہے خیال
ہنگام سے نا اس کو بلا خیز کیجئے

خرگوش کا ہو طرزِ سفر یہ بھی ٹھیک ہے
گرنے کا ڈر ہے چال کو مت تیز کیجئے

سوئے تو مل نہ پائے گا کچھ بھی جہان میں
بیدار رہ کے جان کو مہمیز کیجئے

بنجر نا ہو یہ دھرتی اے دل دھیان میں رہے
اُگنے لگے وفا اسے زرخیز کیجئے

آنکھوں میں خواب جاگنا ہوگا تبھی نصیب
عاشق ہو سچے خود کو بھی شب خیز کیجئے

شہزاد کھو نا جائیں رہِ دل لگی میں آپ
چل نکلے ہیں اگر تو خود آویز کیجئے



علاؤالدین حیدر

چمک مہتاب کی تاروں کی گردش تیز ہوتی ہے
تیری الفت جو میرے ساتھ رستہ خیز ہوتی ہے

تری عزت کی خاطر ہی لب خاموش بیٹھا ہوں
وگرنہ جنگ چاہت میں بڑی خوں ریز ہوتی ہے

میں شوقِ جلوۂ دیدار میں پل پل تڑپتا ہوں
کہ اس کو جب بھی دیکھوں وہ حجاب آمیز ہوتی ہے



محمد خالدؔ خان

خیرالوریٰ ﷺ سے عشقِ جنوں خیز چاہیئے
دنیائے قلب نعت سے لبریز چاہیئے

آیا زباں پہ جب بھی شہہِ دوسرا ﷺ کا نام
ریحان و مشک و عود سے مہمیز چاہیئے

قلبِ صفا میں ژرفِ تخیّل کے واسطے
وردِ درودِ پاک سے رنگریز چاہیئے

ہے اک ہجومِ خواہش و ارماں کا سلسلہ
بس روضۂ رسولِ دل آویز ﷺ چاہیئے

حسن و جمالِ روئے منور ﷺ ہو جس کا خواب
خالدؔ مجھے وہ چشمِ سحر خیز چاہیئے

مسعودہؔ ریاض

سحر انگیز

شب کے تاریک لمحے جب میرے
رگ و پے میں سمائیں تو مدھم
چاند کی روشنی مجھے
تڑپا دیتی ہے اور تب ہی چاندنی
اپنے ہالے میں محوِ سفر ہو کر
یادوں کی اک شمع جلاتی ہے
روشنی کا سفر کہیں
دور لے جاتا ہے مجھ کو
وہاں جہاں صرف خوشیاں
اور سنہری یادیں ہیں
تازگی ہے ان لمحوں میں
ایک دوجے بنا جیتے نہ تھے
ایک دوجے بنا رہتے نہ تھے
ان ـ ـ ـ ـ ـ سحر انگیز لمحوں میں
کیسی دلکش راتیں تھیں وہ
جن میں ہم کھو جاتے تھے
ہاتھ میں ہاتھ ڈالے دلکش سے
لگتے تھے ہم ـ ـ ـ ـ ـ
وقت سحر انگیز بناتے تھے ـ ـ ـ ـ

مسعودہ ریاض

دل میرا تری یاد سے لبریز ہے مولا
مٹی بھی ترے نام سے زرخیز ہے مولا

بس تیرے کرم پر ہی مجھے مان ہے ورنہ
دنیا کی نظر تیز بڑی تیز ہے مولا

کھلتے ہیں حسیں پھول محبت کی زمیں پر
قدرت کا نظارہ سحر انگیز ہے مولا

تخلیق تری حسن کا شہکار خدایا
صناعی تری ساری دلآویز ہے مولا

مسعودہ تری شان بیاں کرتی رہے گی
تعریف تری باعثِ مہمیز ہے مولا

مہتاب شہزادی

سحر انگیز

جگمگاتے بوجھل عالم میں
شب کا سرد سکوت
رتجگوں کی خستہ سرحد پر چھڑک رہا ہے تنہائی
آنکھوں کے پیالے ہیں خوابوں سے خالی
بدن کا بستر خالی پڑا ہے
آدھی نیند کو قفل پڑا ہے
کروٹ بھی سرہانے بیٹھی سو رہی ہے
یاس کی عادی ہو چکی ہے
اور پھر گردش کے ایک پہر
شفق کے مختصر وقت کے جیسے
حسن جمال طالع ہو رہا
دیکھوں کیسے
میں سر اٹھائے مستِ اشتیاق
جلوہ حسرت کروں تلاش
آہ وہ لمحہ تاریک لذت
ہوتا نہیں جس سے گریز
ہو گیا چاند پھر میرے سپرد
تاروں کی بارات آئی امڈ
بدلی کی اوٹ سے جھانکے ہے قمر
میں قطرہ قطرہ آب ہو گئی
اسیر دستِ مہتاب ہو گئی
سوچا نہ تھا
یہ سحر انگیز رات
اس قدر گرم و دل پذیر ہو گی
میرے ساتھ یوں ہم آغوش ہو گی



نادیہ سحؔر

اِک حشر سا بپا ہے ہوا تیز ہے بہت
دل ہے کہ جیسے درد سے لبریز ہے بہت

چاروں طرف ہمارے حصارِ سراب ہے
اور موسمِ گلاب کم آمیز ہے بہت

خوشیوں سے نبھ سکی نہ ہماری کبھی مگر
غم کی سیاہ رات دل آویز ہے بہت

کھلتے ہیں اس میں پھول تمناؤں کے بہت
مٹی ہمارے دیس کی زرخیز ہے بہت

دیکھوں اسے تو جیسے یہ آنکھیں چمک اٹھیں
بے شک وہ دل فریب ، دل آویز ہے بہت

دل میں ہیں جیسے سینکڑوں ارمان موجزن
دریائے بےکراں ہے کہ لبریز ہے بہت

رنگوں میں جیسے رنگ دیا اس نے اے سحؔر
میرا کرم نواز تو ، رنگ ریز ہے بہت



ندیم ندؔم (سمیع)

بہتر ہے کہ خاموش رہے مُرغِ سَحر خیز
اقبال ترا قول، فُسوں گر و دلآویز

پر ذات آدم ہوں میں فرشتہ تو نہیں ہوں
اس بت کی ستائش سے میں کیسے کروں پرہیز

کم گوئی مہرو پہ ندم ہو نہ یوں ششدر
دلبر ہے وہ انسان کہ کم گو ہو کم آمیز

ملا کی شریعت پہ تو رنجیدہ تھا اقبال
مُلّا کی شریعت میں عمل کم و زباں تیز

خورشید نہ نکلے گا بنا تیری اذاں سے
حبشیؓ کی طرح ہو جو ترا عشق جنوں خیز

مسلم کا فسانہ تھا سبھی اہل جہاں میں
جب تک تھا محمدؐ کی عقیدت سے وہ لبریز

جب راہِ خدا چھوڑ کے سرکش ہوا مسلم
جانباز مسلمان پہ فاتح ہوا چنگیز



نوید ظفرؔ کیانی

ہم ہیں حسنِ اشتہاء انگیز کے دونوں طرف
جیسے پیاسے کھیت ہوں کاریز کے دونوں طرف

ہائے کیوں دونوں کسی بھی بات پر ٹھہرے نہیں
دیر تک بیٹھے رہے ہیں میز کے دونوں طرف

وقت کے گرداب میں احساس ہو پاتا نہیں
عقبیٰ ہے دنیائے فتنہ خیز کے دونوں طرف

رنگ کیسے بھر سکے گا اِتنی اُمیدوں میں وہ
وعدوں کا اِک ڈھیر ہے رنگریز کے دونوں طرف

کتنی ترجیحات کی روندی ہوئی لاشیں ملیں
عشق کے ہنگامِ دلآویز کے دونوں طرف

ہم کسی کو دیکھ کر بنتے بگڑتے تھے مگر
آنکھیں ہی آنکھیں تھیں چاکِ تیز کے دونوں طرف

دی گئی ہے کھاد سب کھیتوں کو سیم و تھور کی
آگہی ہے خطۂ زرخیز کے دونوں طرف

وحشتِ یلغار میں بالکل پتہ چلتا نہیں
بھوک ہے رقصاں رنِ خونریز کے دونوں طرف

زندگی کا پرچہ ہم سے حل نہ ہو پایا ظفرؔ
کچھ سوال ایسے رہے ہیں" نیز" کے دونوں طرف



نوید ظفرؔ کیانی

اس واسطے تو حسن کو مجھ سے گریز ہے
میں ماٹھا ماٹھا ہوں اور سے تیز تیز ہے

یہ عشق کیا ہے؟ عقد ہی دو احمقوں میں ہے
اور یہ "جمالِ میک اَپ"، تمھارا جہیز ہے

ہو آتے ہیں اِک اور عالم سے خان جی
نسوار کیا ہے ؟اِن کے لئے اِک ناویز ہے

رہتا ہوں تیرے رُوئے کتابی کی تاڑ میں
جس طرح" ایزی لوڈ" کا تجھ کو کریز ہے

مہنگی ٹرانسپورٹ میں کیسے سفر کرے
بس اِس لئے وہ کم نما ہے، کم آمیز ہے

وہ جن کے ٹوٹکوں میں ہے سو سالہ تجربہ
سِن دیکھئے جو اُن کا ، سراسر نوخیز ہے

اُن کے خطوں سے ان کی مہک آیا کرتی تھی
اُن کی"ای میل" ویسی کہاں عطر بیز ہے

ویسے ہی تم اُٹھائے ہو سیل فون ہاتھ میں
جیسے تمہارے بے بی کے ہاتھوں میں" لیز" ہے

تیرے بھلے کو تلخ نوا ہے کوئی ظفرؔ
شوگر ہے تجھ کو ، میٹھے سے لازم پرہیز ہے



نوید ظفر کیانی

تجھ بن یہ دنیائے دلآویز کیا کرتا
دفتر میں کیا جاتا، کرسی میز کیا کرتا

جیون کی املاک کا قبضہ ملا نہیں ہے
عمر کی لمبی چوڑی دستاویز کیا کرتا

جگہ جگہ پر آوازیں تھیں بچھی ہوئی
جادو نگری تھی، قدموں کو تیز کیا کرتا

نعرۂ یاہو تو سخت ضروری تھا
سب کی خاموشی تھی معنی خیز، کیا کرتا

کن کن جتنوں لایا زیست میں ٹھہراؤ
پھر اُس نام سے دھڑکن کو مہمیز کیا کرتا

ساری دھوپ اور چھاؤں پہ اپنی نظریں تھیں
آنکھیں دے کر موسم کو زرخیز کیا کرتا

سب رشتوں کے اپنے اپنے رنگ و بو
ایک ہی عکس سے آئینہ لبریز کیا کرتا

تیری یادوں کا آسیب سا طاری تھا
غزلیں نہ کہتا تو پھر شب خیز کیا کرتا



ہاشم علی خان ہمدمؔ

خوب صورت شام تھی چشم سحر انگیز پر
محو عرض حال تھے ہم دھڑکنوں کی میز پر
اوڑھ ! آنچل ، سبز دھارے کو بسنتی رنگ دے
پھولتی سرسوں دکھا ! پھر خطۂ زرخیز پر
کیا کہانی چل رہی تھی تتلیوں کے درمیاں
رنگ کھلتے جا رہے تھے غنچۂ نو خیز پر
ریشمی تلووں نے روکا ہے سبک رفتار کو
جم گئے نقش قدم جلتے ہوئے مہمیز پر
کھول رکھی آنکھ بام صبح نو کے سامنے
خواب کا بستر بچھا رکھا در شب خیز پر
موڈ اچھا تھا مرا ، رومان پرور شہر میں
آگیا تھا دل مرا بھی حسن دل آویز پر
گفتگو میں رکھ رکھاؤ ، پیار کا انداز تھا
مسکراتے رہ گئے ہم حرف معنی خیز پر
خواہشوں نے سر اٹھا رکھا تھا ، وہ ہنگام تھا
دل سنبھلتا بھی تو کیسے جذب شر انگیز پر
مسئلہ پانی نہیں ، بود و نمو کی بات ہے
پتھروں میں پھول کھلتے ہیں کہاں کاریز پر
عہد اپنا تو مٹا تھا دوغلے کردار سے
مفت میں الزامِ ہے چنگیز اور انگریز پر
خامشی بھی ڈھل گئی ہمدم غزل کے روپ میں
شاعری ہوتی رہی کچھ دیر کم آمیز پر



ہاشم علی خان ہمدم

منظر منظر سحر انگیز کیا جائے گا
چلتا پہیہ اور بھی تیز کیا جائے گا

کچی مٹی مہک رہی ہے ، پھول کھلیں گے
دل کا غنچہ رنگ آمیز کیا جائے گا

میٹھی نیند سے لپٹی گہری دھند چھٹے گی
آنکھوں کو جب خواب آمیز کیا جائے گا

دریا کاٹ کے دشت میں لایا جا سکتا ہے
گویا بنجر بھی زرخیز کیا جائے گا

تشنہ کام پرندے چھت پر بیٹھے ہیں
خالی برتن کب لبریز کیا جائے گا

کب تک ہم تاریخ کی منزل تک پہنچیں گے
کب تک گھوڑوں کو مہمیز کیا جائے گا

کتنی نسلیں جینے کا تاوان بھریں گی
کتنے شہروں کو خوں ریز کیا جائے گا

تہذیبیں کب ہجرت کرتے دیکھی ہیں؟
کیسے لوگوں کو انگریز کیا جائے گا؟

مصرع مصرع پڑھنے والے یاد رکھیں گے
شعر سخن کی دستاویز کیا جائے گا

دل کی بات زباں تک آتے دیر لگے گی
جب تک ہمدم حرف گریز کیا جائے گا

ہر ماہ نئے رنگ

پہلا ہفتہ: طرحی مشاعرہ رنگ

دوسرا ہفتہ: منفرد ردیف رنگ

تیسرا ہفتہ: منفرد قوافی رنگ

چوتھا ہفتہ: اصنافِ سخن رنگ

ان شاءاللہ